کا مطالبہ بھی کیا، نیز تمام امتیازی قوانین کو ختم کرنے کے لیے بھی استدعا کی۔ صدر مملکت نے اس سلسلے میں ضروری کارروائی کرنے کا یقین دلایا۔ اس موقع پر سابق وفاقی وزیر جے۔ سالک، علامہ زبیر احمد ظہیر اور پادری سردار گڈ سدھنا نے بھی اظہار خیال کیا، جب کہ راجہ ظفر الحق وزیر مذہبی و اقلیتی امور بھی اس ملاقات میں موجود تھے۔ (رپورٹ۔ فادر جیمز چنن، ماہنامہ "شاداب" ۔ لاہور، مئی ۱۹۹۸ء)

انگریزی اخبارات و جرائد کے مضامین پر ایک نظر

اوطنِ عزیز کے انگریزی اخبارات و جرائد میں سیکولر۔لبرل دانشوروں کے افکار کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بشپ جان جوزف کے سانحہ ارتحال سے اُنھوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے وطنِ عزیز کی نظریاتی اساس اور اس حوالے سے بعض قوانین کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ "اسلامک انسٹی ٹیوٹ آف میڈیا ریسرچ۔کراچی" نے دفعات ۲۹۵۔ب اور ۲۹۵۔ج کے بارے میں انگریزی اخبارات کے بعض مضامین اور مراسلات کا خلاصہ تیار کیا ہے جو "انسٹی ٹیوٹ" کے شکریے کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اخبارات کے "کراچی ایڈیشن" پیشِ نظر رکھے گئے ہیں۔ مدیر ا

عزیز احمد صدیقی ("ڈان" ۔ ۱۰ مئی) نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بشپ جان جوزف اپنے مستقبل سے نہیں، حال سے مایوس تھے۔ اُن کی خودکشی کا مقصد قانون توہینِ رسالت کے غلط استعمال پر لوگوں کو توجہ دلانا تھا۔

راشد رحمان ("دی نیوز" ۔ ۱۲ مئی) نے لکھا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں مذہبی عدم برداشت کی جو فضا تیار ہوئی تھی، وہ قائم ہے اور انتشار پیدا کر رہی ہے۔ اس سے اقلیتوں پر ظلم و تشدد اور امتیازی رویوں میں اضافہ ہوا ہے۔ شانتی نگر کے واقعے کے بعد ہم نے "سپاہ مسیحا" قائم کرنے کی اپیلیں سنیں اور بشپ جان جوزف کی تدفین کے موقع پر اس بات کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں کہ مسیحی جنگجو دستے سامنے آجائیں۔ اگر عدم تحفظ کی فضا ختم نہ کی گئی تو صورتِ حال ہاتھ سے نکل جائے گی، اور اسی راستے پر چل پڑے گی جو فرقہ وارانہ تقسیم کا راستہ ہے۔

عزیز الدین احمد ("نیشن" ۔ ۱۴ مئی) نے اپنے مضمون Enemy Within | آستین کے سانپ | میں لکھا ہے کہ ۲۹۵۔ج اقلیتوں کے تحفظ کا قانون نہیں۔ اس قانون کے حامی دعویٰ

کرتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کے انبیاء کے ناموس کا تحفظ کرتا ہے، لیکن کسی مسلم کو ہندو، سکھ یا پارسی کے دیوتاؤں اور بزرگوں کی توہین پر سزا نہیں دی گئی، کیونکہ مسلمان ان مذاہب کے بانیوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اقلیتوں کو پاکستان میں مساوی حقوق اور حقیقی مذہبی آزادی دی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ ملک کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ "سپاہ صحابہ" اور "سپاہ محمد" کے بعد ہمیں مذکورہ تنظیموں کے ہم پلہ جارحیت پسند "سپاہ مسیحا" کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عمانویل سرفراز ("نیشن"- ۲۴ مئی) نے لکھا ہے کہ بعض مسیحی خاندان اس وجہ سے پاکستان چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے ہیں کہ وہ ہندو اکثریت کے بھارت میں زیادہ محفوظ رہیں گے۔ یہ قانون صرف قادیانیوں پر کڑی نظر رکھنے کے لیے بنایا گیا۔ اقلیتوں کا مطالبہ ہے کہ جس طرح دیگر شرعی قوانین اُن پر لاگو نہیں ہوتے، اسی طرح اس قانون سے بھی انہیں مستثنیٰ کیا جائے۔

امینہ جیلانی ("ڈان"- ۲۴ مئی) لکھتی ہیں کہ جب اسلام چودہ سو سال پہلے حقیقی معنوں میں رائج تھا تو اس وقت توہین رسالت کی کوئی سزا نہیں تھی۔ اب توہین رسالت کے قوانین کی کیا ضرورت ہے؟ اسلام کو دنیا بھر میں کہیں خطرہ نہیں۔ اس ملک کے مذہبی رہنماؤں کو جب اس نعرے میں فائدہ دکھائی دیتا ہے تو شور مچانے لگتے ہیں کہ اسلام خطرے میں ہے۔

ایم-بی- نقوی ("ڈان"- ۲۸ مئی) اپنے تجزیے میں لکھتے ہیں کہ رواداری کی خوبی کو قانون یا انتظامی ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا۔ موجودہ بے چینی اور تناؤ کی وجہ پاکستان پینل کوڈ کی دفعات ۲۹۵-ب اور ۲۹۵-ج ہیں۔ انہیں ختم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ۱۹۸۵ء سے پہلے کی پوزیشن میں چلے جائیں۔ "اسلام کے سپاہی" جنرل ضیاء الحق کی آمد سے پہلے اسلام بلاشبہ کمزور نہیں تھا، اور نہ پیغمبر کی تعظیم اتنی مخدوش تھی کہ اسے پاکستان پینل کوڈ کے سہارے کی ضرورت پڑتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۲۹۵-ب اور ۲۹۵-ج کا خاتمہ ہی عدم برداشت کے بڑے مسئلے کا حل نہیں، دوسرے قوانین بھی ہیں جن سے لوگ، خصوصاً خواتین بری طرح بلاضرورت متاثر ہو رہی ہیں۔ ان قوانین کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی قانون جو حقیقتاً مسئلے کا سبب بنے، جو کسی معصوم و بے گناہ کے لیے نقصان دہ اور تکلیف دہ ہے، اسے ختم کر دینا چاہیے۔

محمد شاہ گل ("فرائیڈے ٹائمز"- ۲۹ مئی) کا تجزیہ ہے کہ ڈاکٹر جوزف نے اس لیے خودکشی نہیں کی کہ وہ بزدل تھے، بلکہ انہیں ۹۷ فیصد مسلم اکثریت کے ملک میں مذہبی امتیاز و جبر کا سامنا تھا۔ قانون توہین رسالت بلاجواز ہے۔ اس ملک میں جہاں مشکوک مذہبی تحریکوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے، اقلیتوں کو مسلسل مسلم اکثریت کی منتشر سوچ کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ مسیحی برادری اور دوسری اقلیتیں شریعت کے تحت نہیں آتیں، اس لیے یہ قانون ان پر لاگو نہیں ہونا چاہیے۔

آئندہ اگر توہین رسالت کا کوئی مقدمہ پوری تفتیش کے بعد درج نہ ہوا تو ہم "سپاہ مسیحا" بنانے پر مجبور ہوں گے۔

"پالیسی انسٹی ٹیوٹ برائے پائیدار ترقی - اسلام آباد" (Sustainable Development Policy Institute) نے "قانون توہین رسالت اور پاکستان میں اقلیتوں کا مستقبل" کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔ روزنامہ "ڈان" (۲ جون) کے مطابق انسٹی ٹیوٹ کی رکن جینیفر بینٹ نے قانون توہین رسالت کو کالا قانون قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس قانون نے اقلیتوں کے بنیادی حقوق سلب کر لیے ہیں۔ یہ ایک جبری قانون ہے، گرجا گھر اور مندر مسمار کیے گئے اور قادیانیوں کو بڑے پیمانے پر گرفتار کیا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ قانون لوگوں کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ جنگجو بن جائیں، اور اگر ایسا ہوا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔

اسی سیمینار میں محترم نسرین اظہر نے کہا کہ سینیٹ کی ذیلی کمیٹی نے قانون کے بارے میں تین باتیں کہی ہیں۔ ۱- قانون بہت مبہم اور غیر واضح ہے۔ ۲-اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے کر دیا جائے۔ ۳-دوسرے مسلمان ملکوں میں ایسے قوانین کے بارے میں معلوم کیا جائے۔

اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد کے ڈاکٹر خالد مسعود نے کہا کہ قرآن میں توہین رسالت کے اصول کا کوئی ذکر نہیں۔ مجرمانہ نیت اور حصول مفاد کی خاطر توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگانے والے کے بارے میں قانون خاموش ہے۔ اس بات نے قانون کو نامکمل اور مبہم بنا دیا ہے۔ "اقلیتوں کی آل پاکستان جوائنٹ ایکشن کمیٹی" کے صدر پروفیسر سلامت نے کہا کہ وہ اخبارات و جرائد بھی توہین قرآن کے ذمہ دار ہیں جو قرآنی آیات شائع کرتے ہیں اور پھر ان کے کاغذات زمین پر ادھر ادھر پڑے دکھائی دیتے ہیں۔

حفیظ الرحمٰن ("نیشن" - ۳ جون) لکھتے ہیں کہ برطانیہ میں "چرچ آف انگلینڈ" کے ایک پادری ریورنڈ جان پاپ ورتھ نے بائبل کے حوالے سے فتویٰ دیا ہے کہ سپر مارکیٹ کی کسی دکان سے چوری کرنا گناہ نہیں۔ پاکستان کے مولانا بھی اسی طرح یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ یونیلیٹی سٹورز، چوں کہ عوام کے لیے ہیں، اس لیے سزا سے بے خوف ہو کر انہیں لوٹا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے بعض مولوی صاحبان یہ فتویٰ بھی دے سکتے ہیں کہ فلاں اور فلاں فقہ کے ماننے والوں کو قتل کرنا گناہ نہیں، بلکہ یہ جنت کا پاسپورٹ حاصل کرنے کا ایک یقینی راستہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں کون بتائے گا کہ گناہ کیا ہے؟ جس طرح مذہبی رواداری کے معنی بدل رہے ہیں، (شانتی نگر کی مثال سامنے ہے) اگر ظاہری طور پر کسی اچھے کام کو گناہ کہا جائے تو کیا یہ گناہ کہلائے گا؟ اقلیتوں کے ساتھ شفقت اور نرمی برتنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جائے گا؟ عیسائی پادری کے فتوے پر نہ

نہیں، نامعلوم آئندہ دنوں میں ہمارے مولوی صاحبان ہمارے لیے کیا کیا فتوے لائیں گے۔

مراسلات کے کالم میں کراچی کی تنظیمہ احمد ("ڈان" - ۱۱ مئی) نے لکھا ہے کہ ۲۹۵-ج کی شق قرون وسطیٰ کی روایت پر مبنی ہے، اسے قرآن و سنت کے مطابق بنانا چاہیے۔ قرآن و سنت توہین رسالت پر کوئی سزا تجویز نہیں کرتے۔ رونالڈ ڈی سوزا ("ڈان" - ۳۰ مئی) کے خیال میں ڈاکٹر جوزف نے خودکشی کر کے ثابت کیا ہے کہ مذہبی عدم برداشت ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اس سے صرف اقلیتوں ہی کے حقوق متاثر نہیں ہو رہے، بلکہ مسلمان بھی متاثر ہیں۔

بشپ آف حیدر آباد، جوزف کاوٹس ("ڈان" - ۲۷ مئی) لکھتے ہیں کہ بعض انتہا پسند مذہبی عناصر کی طرف سے قانون توہین رسالت کے غلط استعمال نے اقلیتوں کو خوف اور دباؤ میں مبتلا کر دیا ہے۔

لاہور کے پاسکل کلیمنٹ ("فرائیڈے ٹائمز" - ۲۹ جون) کہتے ہیں کہ شانتی نگر میں بائبل اور گرجا گھروں کو نذر آتش کرنے والوں پر توہین رسالت کا قانون لاگو نہیں ہوا، انہیں کیوں گرفتار نہیں کیا گیا۔ ملک میں نیا صدر منتخب کیا جائے جو صرف ایک طبقے کا نہیں، بلکہ سب پاکستانیوں کا صدر ہو۔